تجارتی سود شرعی نقطہ نظر سے

COMMERCIAL INTEREST AND SHARIAH

عبدالوحید شہزاد[1]

Abstract

Islam is a religion which offers guidance to the mankind on each and every spheres of life .It is therefore, binding on all to act upon each tenet of shariah as commanded by Allah .Human beings have no discretion to alter these commandments based on their perception ,experience and observation .the financial matters are deeply related to human life and the basic principle of shariah is to avoid harm to any one .this is why Allah has forbidden interest and has warned that the offenders would face severe punishment .

During the nineteenth century ,a trend emerged to interpret the shariah tenets by relying on human wisdom and attempts were made to create doubts and controversies ib the minds of were made to create doubts and controversies in thw minds of the people.it was wrongly claimed that exploitative interest was the one which was forbidden rather than each type of interest .it was,therefor,claimed that the commercial interest was legitimate.This way the a general command on interest was bifurcated between commercial and non commercial interest to legalize the commercial interest.This blatant violation of shariah has necessasitated this research work to

1۔ ناظم تعلیمات، مرکز تعلیم و تحقیق اسلام آباد

clarify the aberrations.This thesis attempts to critically review the rationale developed by the proponents of commercial interest .this work substantiates the fact that was no distinction between commercial interest and all kinds of interest during the life time of the holy Prophet(saw) .

تمہید

اسلامی تعلیمات کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں زندگی سے متعلق تمام امور میں راہنمائی دی گئی ہے اور اس کا نظام زندگی انسانیت کے لیے امن وسلامتی کا باعث بنتا ہے۔زمانہ کے تغیر پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ مسائل جنم لیتے ہیں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے انسان اپنی عقل، تجربہ اور مشاہدات کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے لیکن اسلامی شریعت نے قیامت تک آنے والے تمام امور کے لیے اصول وضوابط وضع کردیے ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مسائل کو حل کیا جاسکتے ہیں۔

انیسویں صدی میں سود کی حرمت کے حوالے سے سوالات اٹھائے گئے کہ سود کی حرمت مطلق ہے یا اس حکم میں کوئی تخصیص ہے ؟ کیا سود کی صرف وہ صورت حرام ہے جو استحصالی (ضروریات زندگی کے لیے جانے والے قرض پر سود) ہو ؟ کیا تجارت کے لیے دیا جانے والی رقم پر سود لینا جائز ہے ؟۔اس مقالے میں ان سوالات کو شریعت کی روشنی میں حل کیا گیا ہے۔

تجارتی سود کے بارے میں نقطۂ نظر

انیسویں صدی میں کچھ اہل علم حضرات نے ربا/سود کی آیات کو ''استحصالی سود''(ضروریات زندگی کے لیے لیے جانے والے قرض پر سود) کے ساتھ خاص کیا ہے اور کہا کہ اس کے علاوہ سود جائز ہے۔ مثلاً تجارتی سود، بینک کا سود وغیرہ۔ برصغیر میں اس نظریہ کے حامل سر سید احمد خان ،ڈاکٹر فضل الرحمٰن، مولانا جعفر شاہ پھلواری، سید طفیل احمد، سید یعقوب شاہ، عطاءاللہ پالوی ہیں۔

اسی طرح اہل عرب کے چند مشہور علما کا بھی یہی نظریہ ہے مثلاً: شیخ محمد عبدہ، ڈاکٹر محمد سید طنطاوی، شیخ عبد الوہاب خلاف، شیخ محمد شلتوت۔

دوسرا نقطۂ نظر جمہور علما کا ہے جنہوں نے حرمتِ سود کے حوالے سے قرآنی آیات کو کسی صورت کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ اس کا اطلاق ہر اس زیادتی پر کیا ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ رقم وصول کی جائے وہ رہا ہے، چاہے وہ اضافی رقم کسی کو مجبوری میں قرض دے کر وصول کی جائے یا کسی کو کاروبار کے کے لیے رقم دے کر وصول کی جائے دھوکے سے وصول کی جائے۔

مجوزین تجارتی سود کے دلائل

مجوزین تجارتی سود نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1۔ قرآن میں سود کی حرمت کا اطلاق صرف استحصالی سود (ضروریات زندگی کے لیے دے جانے والے قرض پر سود) پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سود حلال ہے۔

2۔ عہد نبوی ﷺ میں تجارت کے لیے قرضوں پر سود کی کوئی مثال موجود نہیں لہذا تجارتی سود جائز ہے۔

3۔ بینک کے سود میں دونوں فریقین کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اور قرآن میں جس سود سے منع کیا گیا ہے اس صورت میں ایک فریق کو نقصان ہوتا ہے۔

4۔ قرض دینے والا بینک کو خود رقم دیتا کہ وہ اسے کاروبار میں لگائے اور منافع میں سے اسے بھی کچھ دے، بینک قرض دہندہ کو پہلے سے طے شدہ سود ادا کرتا ہے۔

5۔ تاجر یا صنعت کار جو بینک سے قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے وہ بخوشی بنک کو شرحِ سود کی پیش کش کرتا ہے۔ گویا یہ معاملہ دونوں فریقین کی رضامندی سے طے پاتا ہے۔

ان دلائل کی بناء پر تجارتی سود کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ دلائل کی تفصیل جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سرسید احمد خان

سرسید احمد خان سورۃ البقرۃ کی آیت "وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میری اس سمجھ پر جو کچھ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "وَحَرَّمَ الرِّبَا" جو ایک عام حکم تھا اس کو میں نے خاص کر دیا ہے اور اسی ربا پر منحصر کر دیا ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جن کے ساتھ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے۔ بس جس قدر آیتیں اس سے قبل اور جس قدر اس کے بعد ہیں ان سب کو ملانے سے اور سیاق وسباق کے کلام پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی ربا حرام کیا گیا ہے جو ایسے غریب و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا جو کھانے کو محتاج اور غلہ کھجوریں یا اور کچھ قرض لے کر قوت لایموت بہم پہنچاتے تھے۔ ان کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدور اور صاحب دولت وجاہ حشمت ہیں اور اپنے عیش آرام کے لیے روپیہ قرض لیتے ہیں جائیدادیں مول لیتے ہیں مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لے کر چین اڑاتے ہیں گو ان کو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر ان سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھ کو معلوم نہیں ہے۔

اسی طرح بہت سے معاملات قرضے کے ہیں جو تجارت اور کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے سود پر تجارت کے مقاصد کے لیے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ پہنچادیتے ہیں اور ہر قسم کی آڑھتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو ترقی اور افزوئی آبادی کو نہایت امداد پہنچتی ہے ان معاملات میں جو سود لیا جاتا ہے مجھ کو قرآن مجید کی رُو سے اس کے ایسے ربا ہونے کی جس کو آیت میں حرام کہا ہے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بس حکم ربا جو قرآن میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے اور کسی طرح ترقی و تجارت و ترقی ملک ودولت کا مانع نہیں ہے۔ فقہا نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھادیں ہیں جن سے ربا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع حکم ہو گیا ہے۔[1]

1۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن وهو الهدى والفرقان، مکتبہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور، ج ا، ص ۲۴۳-۲۴۲

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری

سورہ بقرہ کی آیت "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر کوئی ایسی تجارت ہو جس میں دونوں فریقوں کی رضامندی اور خوش دلی ہو تو وہ یقیناً اکل باطل نہ ہوگا۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے اسی عینک سے کمرشل انٹرسٹ کو دیکھیے کیا اس میں قرض لینے والا اسی طرح مجبور ومظلوم ہوتا ہے جس طرح قرض مندانہ ضروریات کے لیے قرض لینے والا ہوتا ہے ؟ اور کیا وہ قرض دینے والے کے نفع سے سود کے یک طرفہ نفع کی طرح ناخوش ہوتا ہے ؟ جو ربا حرام ہے وہ وہی ہے جس میں صرف ایک فریق کا خود غرضانہ نفع اور دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ کمرشل انٹرسٹ پر جو تجارت کی جاتی ہے اس میں دونوں فریق کی باہمی رضامندی وخوش دلی ہوتی ہے اور کاروبار کی ترقی سے دونوں کی خوشحالی وابستہ ہوتی ہے اور اس صورت حال کو "إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ" میں داخل کرنے سے کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی۔"[2]

شیخ محمد عبدہ

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ أَيْضًا مَنْ يُعْطِي آخَرَ مَالًا يَسْتَغِلُّهُ وَيَجْعَلَ لَهُ مِنْ كَسْبِهِ حَظًّا مُعَيَّنًا ; لِأَنَّ مُخَالَفَةَ قَوَاعِدِ الْفُقَهَاءِ فِي جَعْلِ الْحَظِّ مُعَيَّنًا - قَلَّ الرِّبْحُ أَوْ كَثُرَ - لَا يُدْخِلُ ذٰلِكَ فِي الرِّبَا الْجَلِيِّ الْمُرَكَّبِ الْمُخَرِّبِ لِلْبُيُوتِ ; لِأَنَّ هٰذِهِ الْمُعَامَلَةَ نَافِعَةٌ لِلْعَامِلِ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ مَعًا، وَذٰلِكَ الرِّبَا ضَارٌّ بِوَاحِدٍ بِلَا ذَنْبٍ غَيْرَ الِاضْطِرَارِ، وَنَافِعٌ لِآخَرَ بِلَا عَمَلٍ سِوَى الْقَسْوَةِ وَالطَّمَعِ، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ حُكْمُهُمَا فِي عَدْلِ اللهِ وَاحِدًا، بَلْ لَا يَقُولُ عَادِلٌ وَلَا عَاقِلٌ مِنَ الْبَشَرِ:[3]

ترجمہ: اور سود یہ نہیں ہے کہ کوئی ایک شخص دوسرے کو قرض دے اور اس کی کمائی میں ایک حصہ اپنے لیے متعین کرلے، اس لیے کہ فقہا کے قواعد کی مخالفت معین حصے میں ہے اگرچہ نفع کم ہو یا زیادہ۔ یہ صورت اس ربا مرکب میں شامل نہیں ہوگی جس کی وجہ سے گھر بگڑ جاتے ہیں (ایک شخص کو نفع اور دوسرے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے)۔ اس لیے کہ یہ معاملہ مالک اور عامل (مزدور) دونوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ اور ربا تو وہ ہے

2۔ پھلواری، مولانا محمد جعفر شاہ، کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ پاکستان، ص ۸۳تا84

3۔ محمد رشید بن علی، تفسیر المنار، الهيئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۹۰م، ۳:۹۷

جس میں کسی ایک فریق کو بغیر کسی قصور کے ضرر پہنچتا ہے اور دوسرے کو فائدہ، یہ دونوں صورتیں اللہ کے عدل میں ایک نہیں ہو سکتیں۔

ڈاکٹر محمد سید طنطاوی

شیخ طنطاوی تجارتی سود کی حلت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لا مانع في الشرع من أن يقوم البنك المستثمِر للمال بتحديد ربح معين مقدما في عقد المضاربة الذي يكون بينه وبين صاحب المال الذي يضعه في البنك بنيةٍ ويقصد الاستثمار. إن البنك لم يحدد الربح مقدما إلا بعد دراسة مستفيضة ودقيقة لأحوال السوق العالمية وبتعليمات وتوجيهات من البنك المركزي ، الذي يعد بمنزلة الحَكَم بين البنوك والمتعاملين معها. تحديد الربح مقدما فيه منفعة لصاحب المال ، ولصاحب العمل : لصاحب المال ؛ لأنه يعرفه حقه معرفة خالية من الجهالة.. ولصاحب العمل ؛ لأنه يحمله على أن يجدّ ويجتهد في عمله.

. إن هذا التحديد للربح مقدما لا يتعارض مع احتمال الخسارة من جانب المستثمر ، وهو البنك أو غيره ، لأنه من المعروف أن الأعمال التجارية المتنوعة إن خسر صاحبها في جانب ربح من جوانب أخرى..إننا لا نرى نصاشرعيا ولا قياساً نطمئن إليه يمنع من تحديد الربح مقدماً، ما دام هذا التحديد قد تم باختيار الطرفين ورضاهما المشروع، ومع هذا من أراد أن يتعامل مع البنوك التي تحدد الأرباح مقدماً فله ذلك، ولا حرج عليه شرعا [4]

ترجمہ: شریعت میں اس امر کی ممانعت نہیں ہے کہ بینک متعین شرح سود کے مطابق قرض دے جس طرح مضاربت میں ہوتا ہے، اس لیے کہ بینک عالمی مارکیٹس کی قیمتوں کا اچھے انداز میں جائزہ لے کر نفع کا تعین کرتا ہے اور **نفع کا تعین** میں صاحبِ مال اور صاحبِ عمل دونوں کے لیے فائدہ ہوتا ہے اس لیے کہ صاحبِ مال اپنے حق کو جانتا ہے، اور صاحبِ عمل کے لیے اس لیے ہے کہ وہ اپنے کام میں محنت کرے گا اتنا ہی وہ صلہ پائے گا۔ اور شروع میں نفع کے تعین میں خسارے کا احتمال ہی نہیں ہے قرض دینے والے کی طرف سے اور وہ بینک ہے اس لیے کہ تجارت میں یہ معروف ہے اگر ایک جانب سے نقصان ہوتا ہے تو دوسری جانب اس کو نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم کوئی ایسی نصِ شرعی یا قیاس نہیں پاتے جس میں جس میں پہلے نفع

4۔ **محمد سید طنطاوی**، معاملات البنوك وأحكامها الشرعية، مطبعة السعادة مصر، ص ۱۴۲،۱۴۳

کو متعین کرنے سے منع کیا گیا ہو، جب کہ نفع کا تعین دونوں فریقین کی رضامندی سے طے پاتا ہے جو کہ مشروع ہے۔ لہٰذا جو بنک کے ساتھ متعین نفع کے ساتھ معاملہ کرے اس میں کوئی شرعی حرج نہیں ہے۔

قائلین عدمِ جواز کے دلائل

قائلین عدمِ جواز کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

1۔ قرآن مجید میں سود کا حکم عام ہے اور عام کی تعریف یہ ہے: عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

2۔ ارشاد باری تعالیٰ: ''فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ'' اور حدیث نبوی ﷺ ''كل قرض جر نفعا فهو ربا'' سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض وصول کرتے وقت تمہارا حق صرف اسی مال میں ہے جو تم نے قرض دیا ہے اس کے علاوہ سود ہے۔

3۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفسرین اور فقہا نے ربا کی تعریف یہ کی ہے قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔

4۔ تجارتی سود کی مثالیں عہد نبوی ﷺ میں بھی موجود تھیں، سب سے بڑی مثال ابن عباسؓ کی ہے جو عرب کے نامور تاجروں میں سے تھے اور دوسرے تاجروں کو قرض بھی دیا کرتے تھے جو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے تھے اور اس کو بھی شریعت نے حرام کر دیا ہے۔

5۔ رأس المال کی اصطلاح تجارت اور کاروبار کے سیاق و سباق میں استعمال ہوتی ہے۔ شخصی ادھار اور ذاتی قرضوں میں سرمایہ کے لیے عام طور پر رأس المال کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی۔

بینک کے سود/تجارتی سود کو انیسویں صدی کے کچھ مفکرین نے جائز قرار دیا اس صورت میں معاصر علماء نے ان کے شبہات کو رد کیا اور دسیوں معاصر علمائے کرام نے اس مسئلہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مولانامودودی

مولانامودودیؒ سے تجارتی قرضوں پر سود کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں جواب دیا:

"زمانہ جاہلیت یا ابتدائی زمانۂ اسلام کے کاروباری رواج میں تجارتی سود اور غیر تجارتی سود کی تفصیل نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اس تفریق و امتیاز کا تصور پیدا نہ ہوا تھا اور یہ اصطلاحیں نہیں بنیں تھیں۔ اس زمانے کے لوگوں کی نگاہ میں قرض ہر طرح کا قرض تھا خواہ وہ نادار لے یا مالدار، خواہ ذاتی ضروریات کے لیے لے یا کاروباری ضروریات کے لیے۔ اس لیے وہ صرف معاملہ قرض اور اس پر سود کے لین دین کا ذکر کرتے اور اس کی ان تفصیلات میں نہیں جاتے تھے۔[5]

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

ڈاکٹر یوسف القرضاوی تجارتی قرضوں پر سود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ کہ یہ بات تیرہ صدیوں میں کسی فقیہ نے نہیں کہی۔ یہ مطلق۔۔ کو محض ظن و گمان کی بنیاد پر مقید بنانا ہے، تاریخ سے اس کا بطلان واضح ہوتا ہے۔ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ اس قسم کا نہیں تھا کہ لوگ کھانے پینے اور ذاتی ضروریات کے لیے طلب کیے جانے والے قرض پر سود لیتے تھے۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ملتا ہے تو وہ شاذ و نادر ہو گا جس کی بنیاد پر احکام وضع نہیں کیے جا سکتے۔ عہد جاہلیت میں جو سود عام تھا وہ تجارت کا سود تھا۔ سردیوں اور گرمیوں میں جانے والے تجارتی قافلوں میں لوگ اپنا مال بھجوا دیا کرتے تھے اور معاملہ دو صورتوں میں سے کسی ایک پر طے ہو جاتا تھا یا تو مضاربت پر اور دوسری صورت یہ تھی کہ سود متعین کر کے مال دے دیا جاتا۔ عبداللہ ابن عباسؓ کا سود اسی قبیل سے تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع میں ساقط کرنے کا اعلان کیا تھا۔"[6]

5۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سود، اسلامک پبلی کیشنز (لاہور)، مارچ ۲۰۱۲، ص ۱۶۴

۶۔ محمد رضی الاسلام ندوی، " ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے تحقیقی مقالے کا ترجمہ و تلخیص تجارتی سود کے حوالے" ، مجلہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۹، ص ۱۰۱

مولانا گوہر رحمٰن

مولانا گوہر رحمٰن سے سوال کیا گیا کہ کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہے؟ اس طرح کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں؟ مولانا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس سوال کی کوئی قانونی اہمیت نہیں ہے کہ کیا عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارت کے لیے لیے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں؟ اصل اہمیت قانوں کے متن کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی کسی بھی عدالت کے سامنے جب ایسا تحریری قانون پیش کیا جائے جس کے متن کے الفاظ عام ہوں اور ان عام الفاظ کے بعد کوئی فقرہ شرطیہ، فقرہ استثنائیہ یا کوئی تشریحی فقرہ موجود نہ ہوں اور مجموعہ قوانین میں کوئی دوسری دفعہ بھی اس عام قانون میں تخصص واستثنا کرنے والی موجود نہ ہو، تو عدالت اسے عام ہی قرار دے گی اور جس پر بھی یہ قانون صادق آتا ہو اس پر منطبق کرے گی۔ اگر عدالت یا عدالت کے سامنے بحث کرنے کی کوئی قانونی دلیل کے محض اپنی صوابدیدی رائے یا خواہش کی بنا پر اس عام اور واضح قانون میں تخصیص کرے گا، تو یہ قانون کی تعبیر نہیں ہوگی بلکہ یہ نئی قانون سازی ہوگی۔ یا بالفاظ دیگر قانون میں تحریف و ترمیم ہوگی۔ میرے خیال میں یہ فلسفہ قانون کا ایسا نکتہ ہے جسے عقلِ عام تسلیم کرتی ہے۔''[7]

ڈاکٹر محمود احمد غازی

تجارتی سود کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''قرآن وسنت رسول ﷺ نے تجارتی اور صرفی قرضوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا اور ہر صورت میں صرف اصل رقوم (رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ) کی وصولی کی اجازت دی ہے۔ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ کی صراحت سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم سود کے تمام ممکنہ شکلوں پر حاوی ہے، بلکہ اس کا اطلاق تجارتی سود پر زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ رأس المال کی اصطلاح تجارت اور کاروبار کے سیاق وسباق میں استعمال ہوتی ہے، شخصی ادھار اور ذاتی قرضوں میں سرمایہ اور راس المال وغیرہ کی اصطلاحات عام طور پر استعمال نہیں ہوتی۔ حضرت عباسؓ کا سود جس کو سرکار دوعالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ختم کیا کسی بھی طرح صرفی قرضوں پر عائد سود

8۔ گوہر رحمٰن، حرمت سود، اشکالات کا علمی جائزہ، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ص ۸۳، ۸۴

نہیں ہو سکتا تھا۔ان جیسا دولت مند رئیس جو اپنی جیب خاص سے موسم حج میں حجاج کے پانی کا بندوبست کرتا ہو، جس کو سرکار دوعالم ﷺ نے قریش کا سخی ترین سردار قرار دیا ہو وہ بھلا صرفی اغراض کے لیے قرضہ کیو ں لے گا حضرت عباس نامور تاجروں میں سے تھے اور دوسرے تاجروں کو تجارت کے لیے قرض بھی دیا کرتے تھے جو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔[8]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع نے ربا کا جو حکم دیا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے،یہی تفسیر تواتر کے ساتھ عہدِ نبوی ﷺ سے نقل ہوتی آرہی ہے اور مطلقاً حرمتِ سود پر مالکیہ کے مشہور امام ابن عبد البرؒ نے علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ابن عبد البر لکھتے ہیں:"وقد اجمع المسلمون نقلا عن نبيهم صلى الله عليه و سلم أن اشتراط الزيادة في السلف ربا ولو كان قبضة من علف أو حبة۔"[9] ترجمہ: مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بناء پر اجماع کر لیا ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے،اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس (جانوروں کے چارہ) ہو یا ایک حبہ (دانہ) ہو۔

تجارتی سود کی حرمت سے متعلق فقہ اکیڈمیز کی قرارداد

موجودہ دور کے پیش آمدہ مسائل کے حوالے سے فقہاء کی متفقہ آراء کے حصول کے لیے مختلف فقہ اکیڈمیز کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت شعبہ حیات سے متعلق تمام امور میں امت کی راہنمائی کی جاتی ہے اور اسلامی تعلیمات سے متعلق جو بھی شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں ان کو رفع کیا جاتا ہے۔اسی ضمن تجارتی سود کے حوالے مختلف اکیڈمیز میں قرارداد پیش کی گئیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

8۔ غازی، محمود احمد(م: ۲۰۰۹ء)، حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، انٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز اسلام آباد ،۱۹۹۶، ص۴۹، ۵۰

9۔ ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، وزارت عموم الاوقاف والشؤن الاسلامية- المغرب ۱۳۸۷، ج،۴، ص ۶۸

فقہ اکیڈمی انڈیا

''سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی یا کاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے۔ یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ 'تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانۂ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لیے حرمت ربا کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا' کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عرب کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھا۔ چناچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین دین تحرم ربا کا اولین مورد ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین کا وجود زمانہ نزول میں نہ پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی کاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں۔ قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربا کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟ سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا مناسب حد سے زیادہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرحِ سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر مناسب ہے حد سے زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔[10]

مجمع فقهاء الشريعة بأمريكا

فوائد البنوك زيادة مشروطة في قروض فهي ربا بالإجماع وبناء على جميع ما سبق فإن ودائع البنوك قروض من البنوك قروض من المودعين تنطبق عليها الأحكام العامة للقروض ومن آكدها حرمة الزيادة المشروطة وأنها من الربا الحرام بالإجماع ولهذا فإن ما يصرف للمودع يعد ربا ،وإن سمي ربحا أو عائدا.ولا يفوتنا في نهاية هذا التعقيب أن نؤكد ونذكر بأن هذا الذي ذكرناه من حرمة الزيادة المشروطة في القروض هو ما أجمع عليه أهل العلم بالشريعة قديما وحديثا ،وأنه قد إتفقف على ذلك جميع المؤسسات الفقهية

۱۰۔ دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۱۱-۸، جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۸۹

والعلمية في العالم الإسلامي قاطبة ،وفي مقدمتها بل ومن أقدمها مجمع البحوث الإسلامية ذاته الذي أصدر قراره في هذا الصدد بالإجماع ،وذلك في مؤتمر المنعقد في القاهرة عام 1375 هـ والذي حضره ممثلون ومندوبون عن خمس وثلاثين دولة إسلامية ،حيث قرر في هذا المؤتمر ما يلي:الفائدة على أنواع القروض كلها ربا محرم،لا فرق في ذلك بين ما يسمى بالقرض الإنتاجي لأن نصوص الكتاب والسنة في مجموعها قاطعة في تحريم النوعين .[11]

ترجمہ:اور ان تمام باتوں کی بنیاد پر قرضوں میں بینکوں کا اضافہ کی صورت میں ادائیگی کرنا بالاتفاق سود ہے اور اسی بات پر بیشک بینک کو جو رقم ادا کی جاتی ہے وہ قرض ہے امانت رکھوانے والوں کی طرف سے اس پر وہی احکامات منطبق ہونگے جو عام قرضوں پر ہوتے ہیں اور اس میں تاکید یہ کہ جو اضافی رقم وصول کی جائے گی وہ بالاجماع حرام ہے،اور اسی وجہ سے جو صرف کیا جائے گا مودع کو اس کو رباشمار کیا جائے گا،اگر چہ اس کا نام ربح رکھا جائے۔اور قرض پر اضافی رقم کی حرمت پر متقدمین اور متاخرین علماء کرام کا اتفاق ہے ۔اور اسی طرح تمام عالم اسلام کی فقہی اور علمی مؤسسات کا بھی اتفاق ہے اور ان میں سب سے مقدم مجمع البحوث خود ہے۔ جنہوں نے اس پیرائے میں بالاجماع قرارداد منظور کی،اور یہ اجلاس 1385ھ میں قاہرہ میں منعقد ہوا جس میں 35اسلامی ممالک سے نمایندے اور مندوبین شریک ہوئے۔اس اجلاس میں درج ذیل قرار داد منظور ہوئی۔قرض کی ہر قسم پر فائدہ وصول کرنا ربا کے زمرے میں آتا ہے، لہذا وہ حرام ہے۔قرض استہلاکی اور قرض انتاجی میں کوئی فرق نہیں ہے،اس لیے قرآن وسنت کے مجموعے سے دونوں صورتوں کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہے۔

مجمع البحوث اللأسلامیه قاهره

انعقد المؤتمر الثاني لمجمع البحوث الإسلامية ،بالقاهرة في شهر الحرام سنة 1385 هـ الموافق مايو 1965م ،والذي ضم ممثلين ومندوبين عن خمس وثلاثين دولة ها بيان المؤتمر الذي صدربه قراراته وتوصياته ونقتصر في هذا المجال على نشر ما قرره المؤتمر بالإجماع بشأن المعاملات المصرفية :

11- http://fatwa.islamonline.net.١-٢-٢٠١٦

.1. الفائدة على أنواع القروض كلها ربا محرم ،لافرق في ذلك بين ما يسمى بالقرض الاستهلاكي ،وما يسمى بالقرض الإنتاجي لأن نصوص الكتاب والسنة في مجموعها في تحريم النوعين

2 .كثير الربا وقليله حرام،لافرق كما يشير إلى ذلك الفهم الصحيح في قوله تعالى : يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً

3 الإقراض بالربا محرم لاتبيحه حاجة ولاضرورة والاقتراض بالربامحرم كذلك ولايرتفع إثمه إلا إذا دعت إليه الضرورة وكل امرئ متروك لدينه في تقدير ضرورته[12]

ترجمہ: ماہِ محرم الحرام 1385ھ بمطابق 1965ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ کا دوسرا اجلاس قاہرہ میں منعقد ہوا، جس میں 35 اسلامی ممالک کے مندوبین شریک ہوئے۔اس اجلاس میں مالی معاملات کے حوالے سے جو قراردادیں پیش کی گئیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

1۔قرض کی ہر قسم پر فائدہ وصول کرنا ربا کے زمرے میں آتا ہے، لہذا وہ حرام ہے۔قرض استھلاکی اور قرض انتاجی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

2 ۔سود چاہے کم ہو یا زیادہ بہر حال وہ حرام ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے صحیح فہم حاصل ہوتا ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ۔

3۔سود کے ساتھ قرض لینا حرام ہے،اسے کوئی حاجت یا کوئی ضرورت حلال نہیں کر سکتی۔اور اسی سود پر قرض دینا حرام ہے۔اور اس کے گناہ کو کوئی چیز رفع نہیں کر سکتی الا یہ کوئی ضرورت ہو۔

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

اسلامی نظریاتی کونسل نے نومبر 1977 میں ماہرین معاشیات پر ایک پینل قائم کیا تھا جس کا کام ملک کے معاشی اور مالیاتی نظام کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے کام میں کونسل کی مدد کرنا تھا۔اس پینل نے پانچ ابواب پر رپوٹ پیش کی، باب اول میں مطلقاً سود کی حرمت کی قرارداد پیش کی جس کی تفصیل درج ذیل ہے کہ:

12- http://www.kantakji.com/ri.11.02.2016

صرفی ضروریات کے لیے قرضوں پر سود کی عقلی توجیہہ بالکل واضح ہے، ایسے قرضے زیادہ تر پریشان حال لوگ لیتے ہیں تاکہ ان کی ایسی فوری اور سخت ضروریات پوری ہو سکیں جن کے لیے ان کے پاس ذاتی وسائل نہیں ہوتے ۔انسانیت اور اخلاق کا تقاضایہ ہے کہ ایسے لوگوں کو سود سے زیر بار نہ کیا جائے ،البتہ جہاں تک پیداواری ضروریات کے لیے قرضوں پر سود کا معاملہ ہے تو اسلام نے اس کی ممانعت اپنے معاشرتی فلسفہ کے بنیاد پر عائد کی ہے جس کا بنیادی اصول عدل وانصاف ہے، تجارت میں نفع ہمیشہ اور ہر جگہ یقینی نہیں ہوتا، کسی تاجر یا کاروباری شخص کو پہلے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفع ہوگا یا نقصان اور یہ کہ کم ہوگا یا زیادہ، ایسی صورت میں صریح زیادتی ہوگی کہ جو فریق روپیہ فراہم کر رہا ہے اس کا نفع پہلے سے پکا ہو جائے اور جو اپنی جان کھپا رہا ہے اسے انجام بھگتنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ پھر اس کے برعکس ایک اور صورتحال بھی ہے اور وہ یہ کہ صاحب زر کا نفع میں سود بطور ایک حصہ پہلے سے مقرر کر دیا جائے لیکن نفع بے حساب ہو تو ایسی صورت میں نفع کا ایک بیشتر حصہ کاروباری فریق لے جائے گا اور صاحب زر کو سود کی شکل میں اور محدود نفع پر قانع ہونا پڑے گا۔[13]

وہ طبقہ جو بینکاری کے سود کو جائز قرار دیتا ہے اگر ہم ان کے دلائل کا جائزہ لیں تو ان کے دلائل کی بنیاد عقل پر ہے عقل کی روشنی میں انہوں قرآن مجید کے ایک عام حکم کو خاص کر دیا۔ سر سید احمد خان نے سورۃ البقرۃ کی آیت "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" کی تفسیر کرتے ہوئے خود اس امر کی وضاحت کی ہے کہ : میں اس آیت کی جو تفسیر کرنے جا رہا ہوں اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ میں نے "حَرَّمَ الرِّبَا" کا جو ایک عام حکم تھا اس کو خاص کر دیا اور ربا کو استحصالی سود تک محدود کر دیا۔ سر سید صاحب کے ان الفاظ سے خود اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ انہوں نے قرآن کے ایک عام حکم کو خاص کر دیا، اور یہ ایک ایسا کام ہے جس کا اختیار نبی ﷺ کو بھی نہیں ہے جن پر قرآن مجید نازل ہوا ہے، تو سر سید احمد خان صاحب کو کس طرح ایک حکم عام کو خاص کرنے کا اختیار ہو سکتا ہے۔ تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ احکام قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی جس انداز میں وہ احکامات ہیں اسی انداز میں انہیں رہنے دیا جائے گا۔

13۔ سالانہ رپوٹ: ۱۹۷۹۔۱۹۷۸، اسلامی نظریاتی کونسل، پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد، طباعت ۲۰ جولائی ۱۹۹۳، ص ۲۳۳-۲۳۴

امام شاطبیؒ شریعت کے احکام کی خصوصیات لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شریعت کے حکم کی دوسری خاصیت اس کا ثابت ہونا اور زائل نہ ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ تم اس کے کمال کے بعد نسخ نہ پاؤگے، نہ اس کے عموم میں تخصیص اور نہ اس کے اطلاق میں تقیید ہوگی۔ نہ اس کا کوئی حکم ختم ہو سکتا ہے اس میں نہ مکلفین کے عموم کا خیال رکھا جائے گا اور کسی کی حالت کا، بلکہ جو شے سبب ثابت ہوگی وہ ہمیشہ کے لیے سبب ہے اسے زائل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح جو شرط ہے وہ ابدی ہے، جو واجب ہے وہ ہمیشہ کے لیے واجب ہے جو مستحب ہے وہ ہمیشہ کے لیے مستحب ہے وہ ہمیشہ سے اسی صفت سے اتصاف پذیر رہے گا۔ یہی کیفیت تمام احکام کی ہے کہ نہ وہ ختم ہو سکتے ہیں اور نہ ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ [14]

لہذا سر سید احمد خان صاحب نے ایک حکم عام کو خاص کر کے اس بات کو ثابت کیا کہ استحصالی سود کے علاوہ سود لینا جائز ہے یہ صراحتاً ایک متواتر امر کی مخالفت ہے۔

مولانا جعفر شاہ پھلواری سورہ بقرہ کی آیت ''وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِنْكُمْ'' سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر کوئی ایسی تجارت ہو جس میں دونوں فریق رضامندی اور خوش دلی ہو تو وہ یقیناً اکل باطل نہ ہوگا۔ انہوں اس آیت کی تفسیر درست نہیں کی بلکہ اس کی درست تفسیر یہ کہ لین دین کی رضامندی سے مراد یہ کہ رضامندی جائز امور میں میں ہو اور اسی طرح کوئی دباؤ یا مجبوری نہ ہو۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شیخ طنطاوی: (جن کا نظریہ یہ ہے کہ بینک کا سود جائز ہے) لکھتے ہیں:

ولكن هذا الظاهر غير مراد لأن الشارع قد حرم المتاجرة في أشياء معينة حتى ولو تم التراضي بين المتعاقدين فيها، وذلك مثل المتاجرة في الخمر والميتة ولحم الخنزير، ومثل بيع الغرر والعبد الآبق ونحو ذلك مما نهى عنه الشارع من العقود والمعاملات[15]

14۔ الشاطبیؒ، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دار المعرفہ، بیروت ۱۹۹۶، ج ۱، ص ۷۱

۱۵۔ طنطاوی، محمد سید (م ۲۰۱۰) التفسير الوسيط للقرآن الكريم، دار نهضة مصر للطباعة والنشر والتوزيع، الفجالة – القاهرة، ۱۹۹۷، ج ۳، ص ۸۳

ترجمہ: ظاہر ہے اس سے مراد وہ اشیاء نہیں ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اگرچہ فریقین رضامند کیوں نہ ہوں مثلاً: شراب، مردار، اور خنزیر کے گوشت پر تجارت، اور اسی طرح دھوکے سے تجارت اور اس غلام کی فروخت جو موجود نہیں ہے اور اسی طرح دیگر وہ اشیاء جن سے شارع نے عقود اور معلاملات میں منع فرمایا ہے۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

آپس کی رضامندی سے مراد یہ ہے کہ لین دین نہ تو کسی ناجائز دباؤ سے ہو اور نہ فریب ودغا سے رشوت اور سود میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے، مگر فی الواقع وہ رضامندی مجبورانہ ہوتی ہے اور دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے۔[16]

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا جعفر صاحب نے آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ متواتر تفسیر کے خلاف ہے۔ رضامندی فریقین کی حلال اشیاء میں ہو نہ کہ حرام اشیاء میں اسی طرح حرام چیز میں فریقین کی رضامندی حلال چیز کو حلال نہیں کردیتی۔

اسی طرح بینک کے سود کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ "یہ اس لیے حلال ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی جس کی بناپر بینک کے سود یا تجارتی سود کو حرام قرار دیا جائے" اگر ہم اس دلیل کا جائزہ لیں تو یہ بات درست نہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تجارتی مقاصد کے لیے سود پر رقم نہیں لی جاتی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب جن کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں کیا جاتا ہے، وہ تجارت کے لیے لوگوں کو قرض دیتے تھے جو سودی اور غیر سودی دونوں طرح کے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے چچا کا سود ختم کیا۔

شیخ محمد سید طنطاوی نے تجارتی سود کے جواز میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ قرآن میں وہ ربا حرام ہے جس میں فریقین میں سے کسی ایک کو نقصان ہو لیکن تجارتی سود یا بینک کے سود میں ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں فریقین کو نفع پہنچتا ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔ یہ محلِ نظر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے قرض دینے کی صورت میں صرف اصل رقم ہے اس پر کوئی اضافہ جائز نہیں ہے "فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ" سے اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶۔ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن ۲۰۱۲، ج۱، ص ۳۴۱

خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرات جو بینک کے سود/تجارتی سود کو جائز قرار دیتے ہیں ان دلائل کی بنیاد عقل ہے اور شریعت کے کسی حکم کو عقل کی روشنی میں پرکھا نہیں جاتا اور نہ عقل کی بناء پر کسی حکم شرعی کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

جمہور علماء نے اس مؤقف کو اپنایا ہے کہ بینک کا سود/تجارتی سود حرام ہے اور ثبوت میں جمہور علماء نے قرآن حدیث اور آثارِ صحابہؓ سے استدلال کیا ہے۔ اور کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا درست منہج یہی ہے کہ اس کو وحی اور سنت کی روشنی میں اس کا حکم ثابت کیا جائے، لہٰذا جمہور کا طریقہ استدلال بھی قوی ہے اور قرآن و سنت کے موافق بھی ہے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں تجارتی سود کی مثالیں

تجارتی سود کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس کی مثال آپ ﷺ کے زمانے میں نہیں ملتی اس بنیاد پر تجارتی سود جائز ہے۔ یہ بات سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے اور من گھڑت بات ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں تجارتی سود کی ایک مثال نہیں بلکہ کئی مثالیں موجود تھیں۔

امام محمد ابن جریر طبریؒ نے سورۃ البقرہ کی آیت "اتقوا الله وذروا ما بقي من الرّبا إن كنتم مؤمنين" کی تفسیر کرتے ہوئے تجارت پر لیے جانے والے سود کی مثالیں بیان کیں ہیں جس کی تفصیل ذیل ہے۔

1- عن الضحاك في قوله:"اتقوا الله وذروا ما بقي من الرّبا إن كنتم مؤمنين"قال: كان ربًا يتبايعون به في الجاهلية، فلما أسلموا أمِروا أن يأخذوا رؤوس أموالهم[17]

ترجمہ: امام ضحاک اس آیت "اللہ سے ڈرو اور ربا میں سے جو رقم باقی رہ گئی ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مؤمن ہو" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سودی خرید و فروخت یعنی کاروبار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کو حکم دیا گیا کہ صرف اصل رقم ہی وصول کرو۔

2۔ علامہ ابن جریرؒ نے "وذروا مابقي من الربا" کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱۷۔ طبری، محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ)، جامع البيان في تأويل القرآن، مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰، ج۲، ص۲۳

عن السدي قال: نزلت هذه الآية في العباس بن عبد المطلب ورجلٍ من بني المغيرة، كانا شريكين في الجاهلية، يُسلِفان في الرِّبا إلى أناس من ثقيف من بني عمرو وهم بنو عمرو بن عمير، فجاء الإسلام ولهما أموال عظيمة في الربا، فأنزل الله"ذروا ما بقي" من فضل كان في الجاهلية "من الربا ".[18]

ترجمہ: امام سُدی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانۂ جاہلیت میں کاروبار شریک تھے۔انہوں نے بنو ثقیف قبیلے کی ایک شاخ بنو عمرو کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔جب اسلام کا دور آیا(اور سود حرام کر دیا گیا) تو ان کا بہت سا مال سود میں لگا ہوا تھا ۔اس کے بارے میں اللہ نے آیت نازل کی ربا میں سے جو رقم باقی رہ گئی ہے اس کو چھوڑ دو۔

3۔امام طبریؒ نے ابن جریجؒ سے روایت روایت نقل کی ہے کہ بنو عمرو بھی بنو مغیرہ کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔

وكانت بنو عمرو بن عُمير بن عوف يأخذون الرِّبا من بني المغيرة، وكانت بنو المغيرة يُرْبون لهم في الجاهلية، فجاء الإسلام ولهم عليهم مال كثير. فأتاهم بنو عمرو يطلبون رباهم، فأبى بنو المغيرة أن يعطوهم في الإسلام، ورفعوا ذلك إلى عتّاب بن أسيد، فكتب عتّاب إلى رسول الله ﷺ، فنزلت:"يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الرِّبا إن كنتم مؤمنين. فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرْب من الله ورسوله"، إلى"ولا تظلمون". فكتب بها رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عتّاب وقال:"إن رَضوا وإلا فآذنهم بحرب"[19]

"دور جاہلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین تھا جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سا مال واجب الادا تھا۔چناچہ بنو عمرو'بنو مغیرہ کے پاس آئے اور ان سے سود کا بقایا طلب کیا ۔بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کر دیا،بنو عمرو عتاب بن اسید کے پاس اپنا مسئلہ لے گئے ،عتاب نے آپ ﷺ کو خط لکھا'اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو !اللہ کا خوف کرو اور جو بھی بقایا ہے سود کا اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔اگر تم ایسا نہ کرو گے پس اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے ،الی تظلمون تک آپ ﷺ نے یہ آیت لکھوا کر عتاب بن اسد کے پاس

18۔ نفس مصدر،ج٦،ص ٢٢

19۔ نفس مصدر،ج٦،ص ٢٤

بھجوادی اور ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ اگر یہ سود چھوڑنے پر راضی ہوں تو بہت اچھا ورنہ ان کو جنگ کی خبر دے دو۔

خلاصہ بحث

شریعت الٰہیہ نے ربا کی حیثیت حرمت متعین کی ہے اور یہ حرمت مطلق ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ کی یہ خاصیت ہے کہ جو حکم شارع نے متعین کر دیا ہے یا کسی امر سے رکنے کا حکم دیا ہے تو وہ دائمی اور ابدی ہے۔ اب انسان اس میں اپنی عقل، تجربات، مشاہدات کی بناپر اس میں تغیر نہیں کر سکتا۔ لہذا جمہور علماء کا مؤقف درست ہے کہ سود مطلقا حرام ہے اور اس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔

سفارشات و تجاویز

- سود شریعتِ اسلامی کا ایک قطعی حکم ہے اس میں اپنی عقل کی بناپر تاویل نہ کی جائے۔
- تجارت کی غرض سے جو قرض دیا جائے اس کی اصل رقم ہی وصول کی جائے۔
- مسلم ممالک کے مقتدر طبقے کا یہ فریضہ ہے کہ معیشت کو سود سے پاک رکھے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔
- اسلام کے معاشی نظام کو عملاً نافذ کیا جائے۔